معاشی وسیاسی نظام کے معاشرے میں مقاصد کا تعین کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام بھی ایک معاشی نظام ہے اور اس وقت دنیا بھر کے بڑے ممالک میں رائج اور تقریباً دنیا کے ہر معاشرے میں اس کے اثرات موجود ہیں۔ اس وقت معاشیات کے میدان میں تحقیق کرنے والے کیلئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ مروجہ سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں مکمل معلومات رکھے۔ تب ہی وہ اس نظام کے اچھے یا برے اثرات کو سمجھ سکتا ہے۔ مولانا محمد طاسین نے چونکہ معاشیات کے میدان میں تحقیق کیلئے قلم اٹھایا، تو انہوں نے سب سے پہلے دنیا میں رائج نظام معیشت کا مطالعہ کیا، اس کا تجزیہ کیا، اور پھر اسلامی معاشی نظام کے مطالعے وتحقیق کے بعد اپنی رائے پیش کی۔ مولانا محمد طاسین سرمایہ داری کی بنیادی فکر وفلاسفی پہ روشنی ڈالتے ہوئے اس کے مختلف پہلو نمایاں کرتے ہیں۔

مولانا محمد طاسین سرمایہ داری کو نظام مادیت پرست، سیکولر معاشی نظام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نظام سرمایہ داری مادیت کے فلسفے پر مبنی ایک سیکولر اور لادینی معاشی نظام ہے جو اپنے اصول ونظریات اور امور ومعاملات میں کسی سماوی دین اور احکام شریعت کا پابند نہیں حلال وحرام اور جائز وناجائز کے کسی دینی الہامی ضابطے کو وہ تسلیم نہیں کرتا، اسی طرح اس کو اللہ کی رضاء وعدم رضا اور آخرت کی جزاء وسزاء سے بھی کوئی سروکار نہیں، اس کے سامنے صرف انسان کی دنیوی زندگی اور اس کی فلاح وبہبود ہے، لہذا وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان کی یہ دنیوی زندگی معاشی لحاظ سے زیادہ سے زیادہ بہتر اور خوشحال ہو اور یہ کہ جن مادی اسباب ووسائل پر دنیوی زندگی کی بہتری اور خوشگواری کا دارومدار ہے ہر انسان کو کثرت وبہتات کے ساتھ میسر ہوں اور لوگ اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور پھر چونکہ نظام سرمایہ داری میں انسان کی عظمت وبڑائی کا معیار مال ودولت ہے لہذا اس کے نزدیک بڑا اور کامیاب انسان وہ ہوتا ہے جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مال ودولت ہو اس میں ایسے ہی لوگ حکومت کے اعلیٰ عہدوں اور منصوبوں پر بھی فائز ہوتے ہیں'' (1)

۲۔ سرمایہ دارانہ نظام اور پیدائش دولت

مولانا محمد طاسین نے پیدائش دولت کے حوالے سے سرمایہ دارانہ نظام کے اس اصول پر کہ محنت کی جگہ سرمایہ دولت پیدا کرتا ہے، پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نظام سرمایہ داری کے نظریات میں سے ایک خاص اور نمایاں نظریہ یہ ہے کہ انسانی محنت کی طرح سرمائے بھی مال ودولت پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ اس نظریے کی بنیاد پر ضروری قرار دیتا ہے کہ جس کاروبار میں ایک فریق کا کسی نہ کسی شکل میں سرمایہ اور دوسرے فریق کا کام وعمل ہو اس سے حاصل شدہ منافع مالک سرمایہ اور محنت کش دونوں کے مابین تقسیم ہو، سرمائے سے پیدا شدہ حصہ سرمائے والے کو اور محنت سے پیدا شدہ حصہ محنت والے کو بطور حق ملے اگرچہ اس کاروبار میں سرمائے والے کے لئے اس کے سرمائے کے تحفظ کی پوری ضمانت بھی موجود ہو اور دیکھا جائے تو نظام سرمایہ داری کا یہی وہ اصولی تصور اور بنیادی نظریہ ہے جس کی بناء پر سود کو اور بالخصوص تجارتی مقاصد کے قرضوں پر سود کو بالکل جائز ٹھہراتا ہے۔'' (2)

مزید لکھتے ہیں:

''سرمایہ دارانہ معاشی نظام دراصل اس بنیادی تصور پر مبنی ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی مال و دولت پیدا کرتا ہے لہذا جس معاشی کاروبار میں ایک فریق کی دماغی جسمانی محنت اور دوسرے کا محفوظ سرمایہ ہو اس کے منافع میں وہ دونوں کو حصہ دار ٹھہراتا ہے بلکہ وہ اپنے اس اصولی تصور کی بناء پر تجارتی مقاصد کے قرضوں پر سود کو قانوناً جائز قرار دیتا ہے لہذا اس کے نزدیک موجود بینکاری نظام جو سود پر زرنقدی کا لین دین کرتا ہے بالکل جائز اور درست نظام ہے، وہ اس کو پورا قانونی تحفظ دیتا اور اس کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔''(3)

محنت اور سرمائے کے حوالے سے سرمایہ دارانہ نظام میں معیشت کی تقسیم پہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سرمائے سے پیدا شدہ حصہ سرمائے والے کو اور محنت سے پیدا شدہ حصہ محنت والے کو بطور حق ملے اگرچہ اس میں سرمائے والے کے لئے اس کے سرمائے کے تحفظ کی پوری ضمانت بھی موجود ہو اور دیکھا جائے تو نظام سرمایہ داری کا یہی وہ اصولی تصور اور بنیادی نظریہ ہے، جس کی بنا پر سود کو بالخصوص تجارتی مقاصد کے قرضوں پر سود کو بالکل جائز ٹھراتا ہے۔''(4)

سرمایہ داری نظام میں دولت پیدا کرنے کے لئے سرمایہ کا استعمال کیا جاتا ہے اس کے لئے بینک کا اہم ترین کردار ہے، مولانا محمد طاسین بینک کے کردار کے حوالے سے روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''نظام سرمایہ داری میں بینک کا جو ادارہ ہے وہ اصلاً سودی قرض کے لین دین کا ادارہ اور نظام سرمایہ داری میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ انٹرسٹ اور سود کا اس میں پایا جانا ایک لازمی وضروری امر ہے اور اس کے بغیر وہ کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتا سوائے اس صورت کے کہ وہ پورا کل ہی تبدیل ہو جائے جس کا یہ ایک لازمی جزء ہے اور چونکہ کل کی جو عمومی خاصیت اور مزاجی کیفیت ہوتی ہے وہ اس کے تمام اجزاء میں کم وبیش ضرور پائی جاتی ہے لہذا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ نظام سرمایہ داری کے ایک اہم جزء یعنی اس ادارے کا حقیقی کردار ہی ختم ہو جائے کیونکہ اس سے پورے نظام میں طرح طرح کی پیچیدگیاں رونما ہوتی ہیں جو نظام کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہیں مطلب یہ کہ نظام سرمایہ داری میں بڑے پیمانے کے سب کاروبار خواہ تجارتی ہوں یا صنعتی اور زراعتی بینکوں کے سودی قرضوں کے بل بوتے پر چلتے ہیں ایسی صورت میں بینکوں پر سودی قرضوں کے لین دین کی پابندی لگادی جائے تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہوگا کہ سارے کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائیں۔''(5)

بینک کے کرادر پہ مزید تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نظام سرمایہ داری میں بڑے پیمانے کے معاشی اداروں کی طرح بینکاری کا ادارہ بھی ایک کمرشل کاروباری ادارہ ہے، جس کے وجود کا اصل مقصد زرونقدی کے لین دین کے ذریعے مال کمانا اور نفع حاصل کرنا ہے۔ اس ادارے کا اصل کام کم شرح سود پر دوسروں سے زرونقدی لینا اور پھر زیادہ شرح سود پر کاروباری لوگوں کو زرونقدی دینا اور شرح سود کی کمی اور زیادتی کے فرق سے مال و دولت کمانا ہے۔ اس کا اصل کام نہ صنعت ہے نہ خرید و فروخت کی

تجارت اور زراعت وغیرہ اور پھر چونکہ بینک اپنے جن کھاتہ داروں سے زر ونقدی لیتا اور اپنے جن کاروباری لوگوں کو زر ونقدی دیتا ہے اس کی قانونی حیثیت واجب الاداء قرض کی ہوتی ہے۔لہذا کہہ سکتے ہیں کہ بینک کا وجود کا مقصد سودی قرضوں کا لین دین ہے جو نظام سرمایہ داری میں بالکل جائز ہے۔آج کل بینکوں میں کچھ دوسرے معاشی کام انجام دیئے جاتے ہیں جیسے بیرونی ممالک سے درآمدی برآمدی تجارت میں تاجروں کو مدد دینا،ایک جگہ سے دوسری جگہ ترسیل زر کے لئے ڈرافٹ بنا کر دینا،لوگوں کو ان کے قیمتی اموال کی حفاظت کے لئے لاکر مہیا کرنا وغیرہ لیکن یہ کام اضافی ہیں جو شروع میں نہ تھے بعد میں وجود پذیر ہوئے اس کمرشل ادارے کے وجود کا اصل مقصد جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا سودی قرضوں کے لین دین کا کام تھا اور آج بھی ہے۔'(6)

متبادل سودی نظام کے دعوے:

سرمایہ دارانہ نظام سود کے بل پہ چلتا ہے،اگر سود ختم کر دیا جائے تو سرمایہ داری نظام ختم ہو جائے گا،مولانا محمد طاسین اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سرمایہ دارنہ معاشی نظام کی بنیاد ہی ہر قسم کے سود کے جواز پر ہے،اس کے تمام مالیاتی ادارے سود پر قائم اور سود کے ذریعے چلتے ہیں ، بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا ، جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا بڑے پیانے کی صنعت ،زراعت اور تجارت کا ادارہ ،غرض یہ کہ اس کا کوئی بھی ادارہ اور معاشی کاروبار بغیر سود کے نہ ہوتا ہے اور نہ ہوسکتا ہے جس کی بھی حقیقت کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو اس کے اندر ربٰو اور سود کا عنصر ضرور نظر آتا ہے،قسطوں والی مروجہ بیع المئوجل کا بھی یہی حال ہے کیونکہ سرمایہ دارنہ سودی نظام نے اس کو جنم دیا اور سود خوروں نے اس کو اپنایا اور پروان چڑھایا ہے،مسلم ممالک اور معاشروں میں اس کے رواج پانے اور پھیلنے کے ٹھیک وہی اسباب وعوامل ہیں جو بینکاری اور بیمہ کاری وغیرہ کے عمل میں آنے ،رواج پانے اور پھیلنے کے اسباب وعوامل ہیں پھر جس طرح سے سود پر مبنی ہونے کی وجہ سے بینکاری اور بیمہ کاری وغیرہ کے کاروبار باوجود رواج پذیر ہونے کے حرام وناجائز ہیں اسی طرح بیع المئوجل کا یہ معاملہ کیونکر حرام وناجائز نہ ہو جب کہ بیع المئوجل کا کاروبار کرنے والے افراد اور ادارے ادھار چیز کی بازاری قیمت پر جو اضافہ کرتے ہیں اس میں بینکوں کی شرح سود کو ملحوظ رکھتے اور اس کے مطابق اضافہ کرتے ہیں۔'(7)

مزید رقمطراز ہیں:

''سودی بینک کا یہ کمرشل ادارہ باقاعدہ طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے تحت وجود میں آیا اور ترقی کے مختلف مدارج طے کر کے موجودہ شکل تک پہنچا،اور چونکہ نظام سرمایہ داری میں سود کا لین دین جائز تھا لہذا سودی بینک کے قائم ہونے اور کامیابی کے ساتھ چلنے کی راہ میں بھی کوئی دشواری اور رکاوٹ پیش نہ آئی یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ بینک کا ادارہ جس اصل کام کے لئے وجود میں آیا وہ لوگوں کے درمیان سودی قرض کے ذریعے زر ومال کا لین دین تھا بعد میں کچھ اضافی کام بھی اس سے متعلق ہو گئے جیسے بیرونی ممالک سے درآمدی برآمدی تجارت کے سلسلہ میں تاجروں کی مدد کرنا اور اس کا معاوضہ لینا اندرون ملک ایک شہر سے دوسرے شہر میں ترسیل

زر و نقدی کے لئے ڈرافٹ بنا کر دینا اور اس کی فیس وصول کرنا قیمتی اشیاء کے تحفظ کے لئے کرائے پر لاکرز مہیا کرنا اور کرنسیوں کا تبادلہ وغیرہ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ کام اس کے اصل کام نہیں بلکہ اضافی ہیں۔ اور اس کا اصل بنیادی کام سود پر زر و نقدی کا لین دین ہے اسی طرح اپنی اصل وضع کے لحاظ سے بینک کا کام نہ اشیاء صرف کی خرید وفروخت کرنا ہے اور نہ اشیاء صرف پیدا کرنے کے لئے کوئی صنعت وحرفت عمل میں لانا ہے کیونکہ یہ کام دوسرے اداروں کے ہیں جو خاص طور پر ان کاموں کے لئے قائم کئے گئے ہوتے ہیں۔'' (8)

۳۔ سرمایہ دارانہ نظام اور تقسیم دولت کا عمل

سرمایہ دارانہ نظام معاشرے کے اندر معاشی طبقات پیدا کرتا ہے اور دولت کی گردش مخصوص طبقات میں محدود کر دیتا ہے، سرمایہ دارانہ نظام کی عدم مساوات اور استحصال کے نتیجے میں معاشرہ طبقات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد طاسین سرمایہ داری نظام کی اس روش پہ اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چونکہ نظام سرمایہ داری کا اصل مقصد باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ آزاد معیشت کے ذریعے ملکی پیداوار اور قومی دولت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا اور اجتماعی ثروت میں روز افزوں اضافہ کرنا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ قومی دولت کی تقسیم افراد معاشرہ کے درمیان مساویانہ ہوتی ہے اور معاشی اعتدال وتوازن قائم ہوتا ہے یا نہیں لہذا اس کے نزدیک یہ کوئی بری چیز نہیں کہ معاشرے کے بعض افراد کروڑوں، اربوں اور کھربوں پتی ہوں اور بعض انتہائی مفلسی، نادار اور پیسے پیسے کے محتاج ہوں سادہ سے سادہ شکل میں بھی ان کو معاشی ضروریات میسر نہ ہوں چنانچہ جن ممالک و معاشروں میں نظام سرمایہ داری بروئے کار ہے، وہاں نہایت بھیانک قسم کا معاشی عدم توازن اور اقتصادی نشیب وفراز اظہر من الشمس ہے۔'' (9)

سرمایہ دارانہ نظام میں طبقات دراصل معیشت کی غیر عادلانہ تقسیم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ان طبقات کی کیا صورتحال ہوتی ہے؟ اس پر مولانا محمد طاسین روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس معاشی نظام کی فطری خاصیت ہے کہ وہ افراد معاشرہ کو معاشی طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ دو مختلف طبقوں میں تقسیم کرتا ہے لہٰذا جن مسلم معاشروں میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام رائج ہے وہاں لوگ معاشی لحاظ سے دو طبقوں میں منقسم ہیں۔ ایک طبقہ کے لوگ جن کی تعداد پانچ فیصد سے بھی کم ہے وسائل پیداوار اور ذرائع دولت کے مالک لاکھوں، کروڑوں اور اربوں پتی ہیں، ملکی معاشیات پر ان کا مضبوط کنٹرول اور تسلط ہے، حکومت کے اعلیٰ مناصب اور عہدوں پر بھی یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں، تمام اجتماعی امور و معاملات ان کی رائے اور مرضی سے طے پاتے ہیں، ہر لحاظ سے ان کو معاشرے میں اعلیٰ و برتر حیثیت اور فیصلہ کن پوزیشن حاصل ہے، اس کے مقابلہ میں دوسرے طبقہ کے لوگ جو تقریباً پچانوے فیصد آبادی پر مشتمل ہیں، محنت کش اور مزدور پیشہ لوگ ہیں جو کھیتوں، کارخانوں، منڈیوں اور بازاروں میں کام محنت کرتے اور قومی معیشت کی گاڑی چلاتے ہیں، معاشی لحاظ سے پس ماندہ، نادار اور پریشان حال ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو سادہ سے سادہ شکل میں اور ادنیٰ سے ادنیٰ معیار پر

بھی باقاعدگی اور ہمیشگی کے ساتھ بنیادی معاشی ضروریات میسر نہیں جس کا ایک سبب بے روزگاری اور معذوری بھی ہے، اور ایک اچھی تعداد ایسی بھی ہے جس کو کسی نہ کسی شکل بنیادی معاشی ضروریات تو میسر ہوتی ہیں یعنی اس کی اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ روزمرہ کی ضروریات پوری ہو جاتی اور گزارہ ہو جاتا ہے لیکن آئندہ کے لئے کچھ بچتا بچاتا نہیں، چنانچہ جب کوئی ہنگامی ضرورت پیش آتی ہے تو اس زمرہ کے لوگ بھی پریشان ہو جاتے ہیں، بلاشبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی آمدنی ان کے خرچ سے زیادہ ہوتی ہے اور ان کے پاس کل کے لئے کچھ بچ جاتا ہے لیکن وہ اتنا نہیں ہوتا کہ لاکھوں کروڑوں پتی بن جائیں۔" (10)

سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کے استحصال اور ذرائع پیداوار پہ کنٹرول کے نتیجے میں معاشرے کی میں پیدا ہونے والے طبقات اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف تبدیلی کے عمل کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا محمد طاسین مزید لکھتے ہیں:

"نظام سرمایہ داری میں ذرائع پیداوار اور وسائل آمدنی پر سرمایہ دار و جاگیردار طبقے کا مالکانہ قبضہ اور کنٹرول ہوتا ہے، محنت کش طبقہ روزگار تک کے لئے اس کا محتاج و دست نگر اور اپنے معاشی حالات کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے کہ محنت کی اجرت اور کام کے معاوضے کا معاملہ سرمایہ دار کی مرضی کے مطابق طے کرے اور سرمایہ دار اجرت و معاوضے کے تعین میں محنت کش کی مجبوری سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کو صرف اتنا دیتا ہے کہ وہ زندہ رہ کر کام محنت کرتا رہے اور اس کو فائدہ پہنچاتا رہے، غرضیکہ یہ دوسرا طبقہ معاشی، معاشرت، سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے پس ماندہ، محکوم اور کمزور طبقہ ہوتا ہے اور اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا کہ اجتماعی معاملات کے متعلق اوپر والا سرمایہ دار طبقہ جو تجویز اور طے کرے اس کو مانے اور اس پر عمل کرے خواہ وہ دل سے کتنا ہی ناخوش کیوں نہ ہو۔ اور چونکہ سرمایہ دار طبقہ کی جو موجودہ معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی پوزیشن اور صورتحال ہے، رائج سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی بدولت ہے لہٰذا وہ موجودہ معاشی نظام میں کسی ایسی تبدیلی کا خیال بھی نہیں کر سکتا جس سے اس کی موجودہ اعلیٰ و برتر حیثیت و پوزیشن متاثر ہوتی اور گرتی ہو اور اس کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہو، خواہ وہ تبدیلی اسلام کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ اس طبقہ کو اسلام سے صرف اس حد تک دلچسپی ہے جس سے اس کے مفادات کا تحفظ ہوتا اور ان کو نقصان نہ پہنچتا ہو بلکہ یہ طبقہ بہر صورت موجودہ معاشی نظام کو قائم اور رائج رکھنا چاہتا ہے خواہ اس کو اس کی خاطر کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، وہ ان لوگوں کو اپنا بدخواہ اور دشمن گردانتا ہے جو اس نظام میں بنیادی تبدیلی کی بات کرتے ہیں اور ان کا منہ بند کرنے اور ایسی بات سے باز رکھنے کے لئے جائز و ناجائز ہر حربہ استعمال کرتا ہے، یہ تو ہوئی داخلی اور اندرونی صورتحال جو پاکستان جیسے اسلامی ممالک میں اسلامی اقتصادی نظام کی راہ میں رکاوٹ ہے۔" (11)

سرمایہ دارانہ نظام ملکی سطح پہ تو معاشرے کا استحصال کرتا ہے اور اس کے خلاف کسی بھی قسم کی تبدیلی کا عمل اور مختلف طبقات کی حالت زار پہ مولانا نے مذکورہ بالا اقتباس میں بات کی، ذیل میں مولانا عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کے غلبے اور پاکستانی معاشرے پہ اس کے اثرات اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف کسی قسم کی تبدیلی کے حوالے سے بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

''جو اس مقصد کی راہ میں خارجی اور بیرونی رکاوٹ ہے وہ یہ کہ جن مغربی ممالک سے پاکستان جیسے مسلم ممالک کے معاشی روابط و تعلقات ہیں جن سے زندگی کی بنیادی ضروریات سے لے کر تعمیر و ترقی اور دفاع کی ضروریات تک ان کی مقررہ شرائط کے مطابق حاصل کرتے اور ان کے مشورے سے تعمیر و ترقی اور دفاع کی ضروریات تک ان کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق حاصل کرتے اور ان کے مشورے سے تعمیر و ترقی کے منصوبے بناتے اور اپنی معیشت کی گاڑی چلاتے ہیں اور ان کے قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں وہ بھی اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر یہی چاہتے بلکہ اس پر زور دیتے ہیں کہ پاکستان جیسے ممالک میں موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام قائم رہے۔ اب اس سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ اسلامی معاشی نظام نافذ اور رائج کرنا، کوئی آسان و سہل کام نہیں بلکہ نہایت مشکل اور بڑا صبر آزما کام ہے جس کیلئے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ طویل وقت اور شدید جدوجہد اور مسلسل ذہنی و دماغی کوشش ضروری ہے، اس کے بغیر یہ اہم کام نہیں ہو سکتا، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام حکومتی جبر کے ذریعے فوری طور پر ہو سکتا اور عوامی دباؤ اور مطالبے کے تحت حکومت سے کرایا جا سکتا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ نہ ان کو اس کام کی نوعیت کا کچھ علم ہے اور نہ اس کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا کچھ اندازہ ورنہ وہ کبھی ایسی بات نہ کہتے، حکومت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو موجودہ معاشی نظام کو طاقت کے ذریعے یکا یک بدل نہیں سکتی اگر وہ ایسا کرے تو اس کے لئے خودکشی کے مترادف ہوگا اور اس کے ردعمل سے ملک و قوم کو بے حد نقصان پہنچے گا۔''(12)

سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال اور معاشرے میں بدترین طبقات پیدا کرنے کے حوالے سے مولانا محمد طاسین نے گذشتہ صفحات پہ مختلف پہلوؤں سے تجزیہ پیش کیا۔ سرمایہ دارانہ نظام سرمایہ داری ذرائع پیداوار پہ مکمل کنٹرول کے بعد معاشرے کے مختلف طبقات کا جسمانی محنت اور ذہنی محنت کے حوالے سے استحصال کرتا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو مفلوک الحالی کی زندگی پہ مجبور ہو جاتا ہے لہذا وہ کسی بھی قسم کی تبدیلی یا حالات کے جبر سے نکلنے کی سعی نہیں کر سکتا وہ صرف جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھ سکتا ہے۔ لہذا اس سے کوئی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ معاشرے کے اندر سرمایہ داریت کے استحصال کے خلاف کوئی قدم اٹھائے گا۔ باقی دوسرے متوسط طبقات اپنے مفادات کے تحت سرمایہ دارانہ نظام کے آلہ کار بن جاتے ہیں لہذا انہیں اس سے سروکار نہیں ہوتا اور رہ گیا سرمایہ دار طبقہ وہ تو استحصال ہی اپنا مال بنانے کے لئے کرتا ہے لہٰذا ان سے کسی قسم کی بہتری کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ مولانا محمد طاسین کا یہ تجزیہ آج معاشرے میں صادق آتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہو کر اور اس کے حقوق انسانی کے نعروں سے غلط فہمی کا شکار ہو کر بہت سے اہل علم یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام میں بہت ترقی ہوتی ہے اس حوالے سے سوشل سیکورٹی کے نظام کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے کہ ان ممالک میں جہاں سرمایہ دارانہ نظام مزدوروں کے لئے سوشل سیکورٹی کا انتظام ہوتا ہے۔ جو کہ ان کی بنیادی ضرورتوں کو

پورا کرتا ہے۔مولانا محمد طاسین نے اس پہلو پہ اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''واضح رہے کہ بعض سرمایہ دارانہ ممالک میں سوشل سیکورٹی کی جو اسکیمیں نافذ العمل ہیں اور جن کی وجہ سے ہر ضرورت مند کے لئے اس کی بنیادی ضروریات پورا ہونے کا جو انتظام ہے وہ نظام سرمایہ کاری کا کوئی لازمی جزو اور حصہ نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ہر سرمایہ دار ملک و معاشرے میں وہ اسکیمیں یکساں طور پر نہیں، مذکورہ قسم کی سوشل سیکورٹی اسکیموں کے وجود میں آنے کا محرک بعض ترقی یافتہ متمدن ممالک میں انسانی ہمدردی کا شعور اور جذبہ بنا اور مقصد معاشرے کو غیر فطری معاشی عدم توازن کے برے اثرات ونتائج سے بچانا اور محفوظ رکھنا ہے جو نظام سرمایہ داری کے تحت ضرور پیدا ہوتا اور کسی نہ کسی وقت امیر وغریب کے مابین نزاع وکشمکش کا باعث بنتا اور اس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ تباہی اور بربادی، بدامنی و بے چینی میں مبتلا ہوکر رہ جاتا ہے۔بناء بریں کہہ سکتے ہیں کہ بعض سرمایہ دارانہ ممالک میں سوشل سیکورٹی اور اجتماعی کفالت کی اسکیموں کے وجود میں آنے کا مقصد معاشی سے زیادہ سیاسی اور اخلاقی تھا جس کے نتیجہ میں وہ ممالک داخلی خلفشار اور طبقاتی کشمکش کی مصیبت سے بچ گئے اور امن و امان کی فضاء میں تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن رہے۔''(13)

فصل دوم: سوشلزم

دنیا میں دو قسم کے معاشی واقتصادی نظام قائم ہیں ایک سرمایہ دارانہ نظام جس نے دنیا کے تقریباً ستر فیصد آبادی کو متاثر کیا ہے اور دوسرا سوشلزم ہے جس نے باقی ماندہ دنیا کو متاثر کیا ہے۔سوشلزم ایک ایسا معاشی نظام ہے جو سرمایہ داری نظام کے ردعمل کے نتیجے میں وجود میں آیا۔اس کا نظریاتی منبع کارل مارکس کی کتاب کیپٹل داس ہے۔جس کی بنیاد پہ لینن کی قیادت میں روس کے اندر انقلاب آیا اور وہاں سے سرمایہ داری نظام کا خاتمہ کر دیا گیا۔اور اس طرح سوشلزم کے اثرات روس سے ہوتے ہوئے یورپ اور ایشیاء کے دیگر ممالک تک پہنچ گئے ۔یہ نظام مزدوروں کا حامی ہے اور محنت کش طبقے کو سرمایہ داریت کے استحصال کے خلاف منظم کرتا ہے۔اس طرح پوری دنیا کی مزدور تحریکوں نے اس نظریئے کو اپنایا اور اپنے ملکوں میں جدوجہد کی۔

دراصل سوشلزم ایک سخت ردعمل تھا سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف، سرمایہ دارانہ نظام ذاتی لامحدود ملکیت کا تصور دیتا ہے۔سوشلزم نے اس کا انکار کیا اور ذاتی ملکیت کا انکار کیا۔اسی طرح پیدائش دولت میں سرمایہ دارانہ نظام نے سرمایہ کو کلیدی حیثیت دی، سوشلزم نے محنت کو اساسی حیثیت دی۔اس ردعمل کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ایسے مذہبی طبقات جنہوں نے سوشلزم کی تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے سرمایہ داری نظام کا ساتھ دیا تو سوشلسٹوں نے ایسے مذہب کا بھی انکار کر دیا۔اس طرح اس تحریک پہ دہریت کا بھی الزام لگا دیا گیا۔

میرے ذاتی خیال میں سوشلزم دراصل انصاف اور عدل کی تلاش کی ایک کوشش تھی۔کیونکہ دنیا سرمایہ داریت سے عاجز آ چکی تھی۔اسلام کے معاشی نظام کو کسی نے اس طرح سے تحریک کی طاقت کے ساتھ پیش نہیں کیا لہٰذا انہوں نے

سوشلزم کو ہی نجات دہندہ سمجھا اور جد وجہد کی۔

مولانا محمد طاسین کی معاشیات کے حوالے سے لکھی گئی کتب میں زیادہ بحث سرمایہ دارانہ نظام کے حوالے سے ملتی ہے۔میرے خیال میں اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام قائم ہے اوراس نظام کے گہرے اثرات سے پورا معاشرہ متاثر ہورہا ہے۔ایک طرف غربت وافلاس دوسری طرف طبقاتی تقسیم اور سود کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ جس نے معاشرے کو بری طرح جکڑا ہوا ہے۔محنت کا استحصال عام ہے،اور مزید یہ کہ بعض اہل علم سرمایہ دارانہ نظام کو اسلامی بنانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں ایسی صورتحال میں مولانا کی ترجیحات یہ رہیں کہ اس سرمایہ دارانہ نظام کی ہئیت اوراس کے اصول وضوابط کو سمجھا جائے اوراس کے طریقہ واردات سے معاشرے کوآگاہ کیا جائے اوراس کے مقابلے میں اسلامی نظام معیشت کی حقانیت کو بیان کیا جائے۔

جہاں تک سوشلزم کا سوال ہے مولانا محمد طاسین نے جب اسلامی نظام معیشت کی بات کی ہے تو تقابل کے طور پہ سرمایہ دارانہ اور سوشلزم دونوں پہ تنقید کی ہے اوران کی خامیاں بیان کی ہیں۔

سوشلزم کے حوالے سے مولانا لکھتے ہیں:

''اشتراکی معاشی نظام یعنی سوشلزم نجی استعمال کی اشیائے صرف کے متعلق توشخصی وانفرادی ملکیت کو مانتا ہے اور اس کے تحفظ کو ضروری قرار دیتا ہے لیکن ذرائع پیداوار جیسے زمین اور کارخانے وغیرہ کے متعلق شخصی ملکیت کی نفی اور صرف اجتماعی وقومی ملکیت کا اثبات کرتا ہے''(14)

اسلامی معاشی نظام اور سوشلزم کے نظریہ ملکیت پہ اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا محمد طاسین لکھتے ہیں:

''اسلامی معاشی نظام اور اشتراکی معاشی نظام کے مابین جو بنیادی فرق واختلاف ہے وہ یہ کہ اسلام ذرائع پیداوار کی بھی شخصی ملکیت کو صحیح تسلیم کرتا جبکہ اشتراکیت اس کا انکار کرتی ہے۔''(15)

مولانا محمد طاسین سوشلزم کے نظریہ محنت پہ اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اشتراکی نظام کی بنیاد اس تصور ونظریئے پر قائم ہے کہ پیدائش دولت کا عامل صرف ایک ہے اور وہ ہے انسان کی دماغی وجسمانی سعی ومحنت،گویا انسانی محنت کے عامل پیداوار ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔''(16)

مولانا محمد طاسین نے جب محنت کی اساس پہ پیدائش دولت کے تصور کو اسلام تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا تو حسب دستور پاکستانی معاشرے کے ایسے علماء جن کا برسوں سے سرمایہ داری نظام سے تعلق ہے نے مولانا پہ سوشلزم سے متاثر ہونے کا الزام لگا کر ان کی تحقیقی کاوشوں کو معاشرے میں غیر مئوثر کرنے کی کوشش کی۔مولانا محمد طاسین نے کارل مارکس کے نظریئے کے حوالے سے لکھا:

''علامہ ابن خلدون،مشہور اشتراکی مفکر کارل مارکس سے تقریباً پونے پانچ سو سال پہلے گذرے ہیں،لہٰذا انسانی کام ومحنت اور معاشی قدر وقیمت کے متعلق ان کے نظریئے کو کسی طرح کارل مارکس کا اشتراکی نظریہ نہیں کہا جا سکتا

بلکہ اس کے برعکس کارل مارکس کے نظریہ کو ابن خلدونی نظریہ کہہ سکتے ہیں۔"(17)

مولانا نے مذکورہ پیرا میں یہ بتایا کہ دراصل محنت کی اساس پہ اقتصادی نظام کا تصور عادلانہ تصور ہے اور اسے ابن خلدون نے بھی پیش کیا ہے، لہٰذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نظریہ سوشلزم کی پیداوار ہے سراسر غلط ہے۔ مولانا محمد طاسین کہتے ہیں کہ محنت کی اساس پہ استوار معاشرہ دراصل اسلام کی تعلیمات پہ ہی عمل پیرا ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "آج کی دنیا میں بعض غیر مسلم اشتراکی ممالک ومعاشروں میں اسلام کی اس تعلیم پر بہت اچھی طرح عمل ہو رہا ہے۔ جیسے اشتراکی چین اور شمالی کوریا وغیرہ اور اس کے نتیجے میں ان ممالک اور معاشروں کے اندر وہ مفاسد تقریباً مفقود اور نہ ہونے کے برابر ہیں جو ان سرمایہ دارانہ ممالک میں پوری شدت کے ساتھ پائے جاتے ہیں جن کے اندر لوگوں کے معیار معیشت میں بہت زیادہ نشیب وفراز اور غیر فطری فرق وامتیاز ہے اور جو ان مفاسد کی وجہ سے عام بدامنی و بے چینی کا شکار ہیں۔ بہرحال دور حاضر میں بعض غیر مسلم سوشلسٹ ممالک کے اندر لوگوں کے معیار معیشت میں بڑی حد تک مساوات و برابری کا پایا جانا اس پر قطعی دلالت کرتا ہے کہ معیار معیشت میں فطری مساوات کے متعلق اسلام کی جو تعلیم ہے وہ قابل عمل ہے اور اس پر اسلامی معاشرے میں بخوبی عمل ہوسکتا ہے۔"(18)

مولانا محمد طاسین معاشرے کے نوجوانوں کو نظریاتی طور پہ تیار کرنے کے لئے انہیں اسلام کے معاشی نظام سے بہرہ مند کرنا انہیں اس کی تعلیم دینے کو ضروری قرار دیتے ہیں، تاکہ مسلمان نوجوان سوشلزم کا شکار نہ ہوسکیں۔ اس سلسلے میں مولانا رقمطراز ہیں:

> "ہمارے ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان سوشلزم کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے جو اس وجہ سے اس کا شکار ہو رہے ہیں کہ ان کے سامنے اسلام کا معاشی نظام علمی اور نظری شکل میں بھی موجود نہیں اور سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ معاشی نظام سے اس لئے متنفر ہیں کہ وہ مٹھی بھر لوگوں کو معاشی خوشحالی اور ترقی کے مواقع فراہم کرتا اور عظیم اکثریت کو ان سے محروم رکھتا اور طرح طرح کی سماجی برائیوں کو جنم دیتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ اشتراکی معاشی نظام کو اس وجہ سے بہتر سمجھتے اور ترجیح دیتے ہیں کہ اس میں عظیم اکثریت کو معاشی خوشحالی اور ترقی کا موقع ملتا ہے، ادھر بدقسمتی سے مسلم ممالک میں عام طور پر جو معاشی نظام رائج ہے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ ہے لہٰذا ذہین وتعلیم یافتہ نوجوانوں کے اندر اس کے متعلق بغاوت کا جذبہ موجزن ہے اور وہ اس کو بدلنا چاہتے ہیں اس کے نتیجہ میں ان کے اور اس نظام کے حامیوں کے مابین کشمکش پائی جاتی ہے اور بعض ممالک میں اسکی شکل مسلح جنگ کی سی ہے جس سے امت مسلمہ کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔"(19)

مولانا محمد طاسین سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کے معاشروں کا تجزیہ کرتے ہیں کہ جیسے کا نظام سرمایہ دارانہ نظام میں ترقی اور حقوق کا ضامن سمجھا جاتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں سوشلسٹ ممالک میں یہ نظام نہ ہونے سے ان کی

ترقی اور خوشحالی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ لکھتے ہیں:

''مثلاً آج بیمے کا معاملہ ان ملکوں اور معاشروں میں تو متعدد شکلوں میں موجود ہے جن کا معاشی نظام اور اقتصادی سسٹم کیپیٹل ازم اور سرمایہ دارانہ ہے لیکن ان ملکوں اور معاشروں میں داخلی طور پر کہیں موجود نہیں جو سوشلسٹ اور جن کا معاشی نظام سوشل ازم اور اشتراکیت ہے حالانکہ ان کی قومی اور اجتماعی معیشت کی گاڑی خوب اچھی طرح چل رہی ہے بلکہ ان کے ہاں بیمہ کا کاروبار قانوناً منع ہے۔''(20)

اسلام کے معاشی نظام اگر اس کی روح عدل کے ساتھ نہ پیش کیا گیا تو سرمایہ دارانہ نظام کا شکار معاشرے کے نوجوان سوشلزم کی طرف مائل ہونا شروع ہو جائیں گے، اس حوالے سے مولانا لکھتے ہیں:

''ہماری نئی نسل اس سے متنفر ہو کر اشتراکیت کی طرف چلی جائے گی اور اس کے تمام تر ذمہ دار وہ مسلمان ہونگے جو اسلام کے معاشی نظام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں بناء بریں ضروری ہے کہ ایسے لائحہ عمل کے متعلق واضح طور پر یہ اعلان ہو کہ یہ اسلامی نہیں اس اعلان کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان اس عبوری لائحہ عمل کے ساتھ چمٹ کر نہ رہ جائیں گے اور جب وقت آئے گا تو اسے بخوشی چھوڑ دینگے اور اس سے بہتر دوسرے لائحہ عمل کو اختیار کرلیں گے۔''(21)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا محمد طاسین نے اگر چہ کہ سوشلزم کے نظام اور اس سے پیدا شدہ معاشرے کا تجزیہ اور اس معاشی نظام کے ڈھانچے پہ زیادہ بات نہیں کی۔ صرف اس کے چند بنیادی اصولی تصورات کو بیان کیا جن میں محنت، ذاتی ملکیت کے تصور کو بیان کیا۔ اور اس کا تقابل سرمایہ داری نظام سے کیا۔ مولانا سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں سوشلزم کو بہتر سمجھتے تھے لیکن اسلامی نظام معیشت کے مقابلے میں اسے ناقص سمجھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ لکھا ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو اسلامی نظام معیشت سے بہتر طور پہ آشنا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ سوشلزم کے اثرات سے بچ سکیں۔ وہ سوشلزم میں بیان کئے گئے نظریہ محنت کو ابن خلدونی نظریہ کہتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب بھی محنت اور ذاتی ملکیت کے تصور ونظریہ پہ بات کی تو اسے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا۔ ان کے مخالفین ان پہ الزام لگاتے تھے کہ وہ سوشلزم سے متاثر تھے، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے ان کے تمام لٹریچر کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے خالصتاً قرآن وحدیث اور سنت رسول ﷺ اور اجتہاد کے عمل کو ہمیشہ بنیاد بنا کر معاشی مسائل پہ بات کی ہے۔ اور ان کی سرمایہ دارانہ نظام پہ تنقید بھی ان ہی بنیادوں پہ ہے۔ انہوں نے کبھی بھی سوشلزم پہ زیادہ نہیں لکھا اور نہ ہی اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

فصل سوم: اسلامی ممالک میں رائج معاشی نظام

مولانا طاسین نے جہاں عالمی معاشی نظاموں کا تجزیہ کیا اور ان کے معاشی اثرات پر بحث کی اور ان کی خرابیوں سے آگاہ کیا۔ مولانا محمد طاسین نے اکثر اسلامی ممالک کے دورے کئے وہاں کے معاشروں کا مطالعہ وتجزیہ کیا، ان ممالک کی معیشتوں اور ان ممالک میں پروان چڑھنے والے معاشی نظریات کا بغور مطالعہ کیا۔ مولانا اسلامی ممالک کے معاشروں

کی ذہنی وعملی کیفیت اور بے عملی کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کے اندر ایسے مسلمانوں کی تعداد بہت کم گویا آٹے میں نمک کے برابر ہے جو صحیح صورت میں ایمانی عقائد رکھتے اور صحیح طریقہ سے پابندی کے ساتھ اسلامی عبادات بجالاتے ہوں، لا الہ الا اللہ پڑھ کر زبان سے اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہیں لیکن نہ اس کا صحیح مفہوم ومطلب سمجھتے اور نہ اس کے عملی تقاضوں کو جانتے ہیں چنانچہ ان کی عملی زندگیوں میں بکثرت ایسے افکار وخیالات اور اقوال واعمال پائے جاتے ہیں جو توحید کے منافی اور شرک کے مطابق ہوتے ہیں، اسی طرح زبان سے محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس اقرار کے جو عملی تقاضے ہیں نہ ان کو جانتے ہیں اور نہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ زندگی کے امور ومعاملات میں اتباع سنت رسول ﷺ کے بجائے بدعات کی پیروی کرتے ہیں، وہ صفات جو رسول اللہ ﷺ سے مختص ہیں دوسروں کے لئے ثابت کرتے اور ان کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے برابر سمجھتے ہیں، قرآن مجید پر ایمان رکھنے اور اس کو اللہ کی آخری کتاب ماننے کے باوجود اس کی ہدایت وتعلیمات کے مطابق زندگی نہیں گزارتے اور اس کے احکام وقوانین کی روشنی میں اپنے مسائل حل نہیں کرتے، آخرت پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس ایمان کے جو اثرات ونتائج ان کی عملی زندگی پر مرتب ہونے چاہئیں وہ ان کی عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتے بتقریباً یہی حال فرض اسلامی عبادات کا بھی ہے، ان کو فرض جانتے اور مانتے ہوئے بہت کم تعداد میں مسلمان ایسے ہیں جو شعور اور پابندی کے ساتھ ان کو ادا کرتے ہوں، بڑی اکثریت یا تو سرے سے ان کی طرف توجہ ہی نہیں دیتی یا غفلت کے ساتھ رسمی طور پر ان کو ادا کرتی ہے، لہٰذا ان عبادات کے عملی زندگی پر جو اثرات دیکھے جانے چاہئیں بہت ہی کم دکھائی دیتے ہیں، ایمانی عقائد اور اسلامی عبادات کی مذکورہ صورتحال کا نتیجہ یہ کہ ہمارے نام نہاد اسلامی اور مسلم معاشروں میں وہ اسلامی اخلاق کمیاب اور شاذ ونادر ہیں جن کا وجود اسلام کے اجتماعی نظام بالخصوص معاشی نظام کے عمل میں آنے کیلئے ضروری ہے۔''(22)

مولانا محمد طاسین ایمانی کیفیت کو اسلامی معاشی نظام کے غلبے کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں، وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب تک مسلمان اپنی ذہنی کیفیت اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نظام پہ ایمان نہ لائیں اور اسے اپنے لئے مفید نہ سمجھیں اس وقت تک اس معاشرے کے اندر اسلامی نظام غالب نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں:

''آج عام طور پر دنیا میں مسلم ممالک ومعاشروں کی ایمانی اور اخلاقی جو صورتحال ہے تاوقتیکہ وہ صحیح ودرست نہ ہوجائے اسلام کا حقیقی اقتصادی نظام ان کے اندر کامل طور پر نافذ اور رائج نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کیلئے اشد ضروری ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر تعلیم وتربیت اور تبلیغ ودعوت کا ایسا نظام تجویز اور مرتب کیا جائے جس کے ذریعے مطلوبہ ایمانی اور اخلاقی ماحول پیدا ہوسکتا ہو، اسی طرح وہ مجرب اور معروف عملی طریقے اختیار کئے جائیں جن سے بنیادی معاشی ضروریات میں کفالت اور سیاسی لحاظ سے کامل خود مختاری حاصل ہوسکتی ہو۔''(23)

مولانا محمد طاسین مسلمان معاشروں کو نام نہاد مسلمان معاشرے کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں عملی طور پہ جو معاشی نظام موجود ہیں وہ اسلامی نہیں ہیں بلکہ سودی نظام معیشت ہیں۔ لکھتے ہیں:

''آج عموماً ہمارے نام نہاد مسلم معاشروں اور ملکوں میں جو معاشی نظام عملی طور پر رائج ہے وہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے جس کے رگ وپے اور ریشے ریشے میں سود سرایت کئے ہوئے ہے اور معاشی ظلم واستحصال اس کی ماہیت کا لازمی جزو ہے لہذا وہ اسلام کے معاشی نظام کی ضد ہے جو سود کی ہر شکل کو حرام وممنوع ٹھہراتا ہے، اور چونکہ سود پر مبنی سرمایہ دارانہ معاشی نظام تاریخی عوامل کے تحت طویل عرصہ سے مسلم معاشروں، جیسے پاکستان میں قائم ورائج ہے ،لہذا اس کی جڑیں گہری اور مضبوط ہیں اور وہ خاصا مستحکم اور طاقتور نظام ہے اور چونکہ کافی زمانہ سے رائج ہے لہٰذا لوگوں کے لئے متعارف اور مانوس نظام بھی ہے۔''(24)

حوالہ جات: باب دوم

1۔محمد طاسین، مولانا، متبادل سودی نظام کے دعوے، کراچی، گوشہ علم وتحقیق، ۲۰۰۱ء ص ۱۰

2۔ایضاً ص ۱۰ تا ۱۱ — 3۔ایضاً ص ۱۱

4۔ایضاً ص ۱۱ — 5۔ایضاً ص ۳۷

6۔ایضاً ص ۳۵ تا ۳۶ — 7۔ایضاً ص ۱۴۳

8۔ایضاً ص ۱۰ — 9۔ایضاً ص ۳۶

10۔محمد طاسین، مولانا، اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات قرآن وحدیث کی روشنی میں، کراچی، مجلس علمی فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء ص ۲۲۴

11۔ایضاً ص ۲۲۴ تا ۲۲۵ — 12۔ایضاً ص ۲۲۵ تا ۲۲۶

13۔محمد طاسین، مولانا، متبادل سودی نظام کے دعوے، محولہ بالا ص ۳۶

14۔محمد طاسین، مولانا، اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، محولہ بالا ص ۸۱

15۔ایضاً ص ۸۱ — 16۔ایضاً ص ۱۳۰

17۔ایضاً ص ۱۳۷ — 18۔ایضاً ص ۱۵۹ تا ۱۶۰

19۔محمد طاسین، مولانا، اسلامی اقتصاد کے چند پوشیدہ گوشے، کراچی، گوشہ علم وتحقیق، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱ تا ۱۲

20۔محمد طاسین، مولانا، متبادل سودی نظام کے دعوے، محولہ بالا ص ۹۸

21۔ایضاً ص ۱۶۲

22۔محمد طاسین، مولانا، اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، محولہ بالا ص ۲۲۲ تا ۲۲۳

23۔ایضاً ص ۲۲۳

24۔ایضاً ص ۲۲۳ تا ۲۲۴

مفاہمتی عمل کے لیے پائیدار حکمتِ عملی کی تشکیل

(تعلیماتِ اسلامی کی روشنی میں)

ڈاکٹر طلعت صدیقی

ABSRTACT:

Quran-o-sunna and Islamic history is replete with unanimous consent. Unanimous consent is the need of the hour which was never earnestly felt before. Peace seems impossible now-days, and its attainment is only possible through strong unanimous consent. Current circumstances are also demanding that balanced policy tactics of unanimous consent should be prepared in order to act upon it so that all nations get united and the world become a torch bearer of peace and tranquility. World peace is the most urgent and earnest need of man. Stack of horrendous destructive weapons, repercussions of world wars and fear hare destroyed the state of rest of human being but if nations of the whole world do struggle to create an environment of harmony, equality and forgiveness while ending their fake discrimination. Then this most sought after need can be fulfilled. In this time, world nations are on the brink of devastation on account of control of power authoritativeness and lust for materialism. Day by day & every coming moment, hatred and prejudice are prevailing, love and care are about to end. In this materialistic time, man is victimized by man. Crimes are prevailing awfully. Mental conflicts and tensions are on the rise. Mental peace is at lacking Men are like savages to each other. Cruelty and violence